احسن التفہیم لمسئلۃ التعلیم
مسئلہ تعلیم
ایک مختصر اور بیش قیمت تحریر
جس میں دینی تعلیم اور انگریزی تعلیم
اور دونوں کی مخلوط تعلیم پر مختصر کلام کیا گیا ہے۔
از رشحاتِ قلم
شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
مع ضمیمہ: تحقیق تعلیم انگریزی
از: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر
دار النعیم
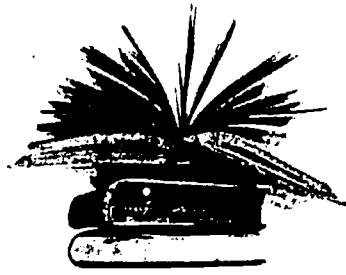
احسن التفهيم لمسئلة التعليم

از رشحاتِ قلم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مع ضمیمہ: تحقیق تعلیم انگریزی

از: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب ...... احسن التفہیم لمسئلۃ التعلیم

مصنف ...... مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات ۴۴

﴿ملنے کے پتے﴾

مکتبہ سید احمد شہیدؒ۔ اردو بازار لاہور

مکتبہ قاسمیہ۔ الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

فہرستِ مضامین

ضمیمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"الحمد لله الذى فضلنا على كثير من عباده المؤمنين وجعلنا من حملة شريعة نبيه خاتم الانبياء والمرسلين صلوٰت الله وسلامه عليهم اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين امابعد"

بندۂ ناچیز محمد ادریس کان اللہ لہٗ اہل اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ یہ ایک مختصر تحریر ہے کہ جس میں دینی تعلیم اور انگریزی تعلیم اور دونوں کی مخلوط تعلیم پر مختصر کلام کیا گیا ہے امید ہے کہ طالبان حقیقت کے لئے موجب بصیرت وطمانیت ہوگا اور یہ واضح ہو جائے گا کہ آج کل جس طرز سے انگریزی تعلیم دی جارہی ہے اس سے وہ علم حاصل ہوتا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعا سے پناہ مانگی ہے۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ عِلۡمٍ لَّا یَنۡفَعُ وَمِنۡ قَلۡبٍ لَّا یَخۡشَعُ وَمِنۡ نَفۡسٍ لَّاتَشۡبَعُ وَمِنۡ دُعَآءٍ لَّایُسۡمَعُ"

"اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اُس علم سے جو نفع نہ بخشے، اور اس دل سے کہ جس میں خوف خداوندی نہ ہو اور اس نفس سے جو نہ بھرے اور اس دعا سے جو نہ سنی جائے"۔

(سنن أبو داؤد، ج۱، ح ۱۵۴۴؛ سنن نسائی، ج ۲، ح ۱۸۴۰)

اور قرآن کریم کی اس آیت یعنی:

{فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ذٰلِکَ مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ} (النجم ۲۹:۲۷)

میں اسی علم سے اعراض کا حکم دیا گیا ہے۔ جس سے مقصود فقط دنیا ہو اور آخرت سے کوئی سروکار نہ ہو۔ فرض کرو کہ کوئی کالج ایسا ہو جس میں اس طرح کی تعلیم دی جاتی ہو کہ جس

سے حکومتِ وقت کے احکام وقوانین کی کوئی وقعت قلب میں باقی نہ رہے اور نہ ہی وہاں کے اساتذہ اور طلبہ میں حکومت کی اطاعت اور وفاداری کا کوئی خیال باقی رہے بلکہ حکومت کے احکام پر تنقید اور تبصرہ کی جولان گاہ اور آماجگاہ (تنقید اور تبصرے کا میدان) ہو تو حکومت بلاشبہ ایسے کالج کو خلافِ قانون قرار دے گی اسی طرح شریعت اسلامیہ اس تعلیم کو ممنوع قرار دیتی ہے جس سے احکم الحاکمین کی عبادت اور اطاعت اور اس کی وفاداری میں خلل پڑتا ہو۔ جس درجہ کا خلل ہوگا اسی درجہ کی ممانعت ہوگی اور حدیث میں جو "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلیٰ كُلِّ مُسْلِمٍ" (الحدیث) آیا ہے اس سے وہ علم مراد ہے جس سے حق جل شانہ کی عبادت اور اطاعت کا علم حاصل ہو۔ معاذ اللہ اس سے انگریزی علم مراد نہیں بلکہ وہ علم مراد ہے کہ جس سے انسان خدا کا بندہ بنے ورنہ وہ بندہ نہیں بلکہ وہ گندہ ہے۔

اے میرے دوستو! وہ علم حاصل کرو جس سے خدا کا بندہ بنو اور اس علم سے پرہیز کرو جس سے انسان نفس کا بندہ بن جاتا ہے اور انسانیت کے دائرے سے نکل کر حیوانیت کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے کہ حیوان کس طرح کھڑے کھڑے کھانے لگتا ہے اور کھڑے کھڑے موتنے لگتا ہے اللہ پناہ میں رکھے۔

{إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ} (هود ۱۱:۸۸)

"میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح ہی چاہتا ہوں، اور مجھے تو صرف اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

علم کی حقیقت اور اس کی فضیلت

تمام حکماء اور عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور علم سے بڑھ کر کوئی کمال اور فضیلت نہیں۔ اگر عقل ہے اور علم نہیں تو اس کی مثال عریان اور برہنہ کی ہے، اگر خدانخواستہ عقل ہی نہیں تو پھر زندگی ہی نہیں۔ ایک مردہ انسان، زندہ مجنون سے بہتر ہے۔ معاش ہو یا معاد[1] دین ہو۔ یا دنیا سب کا دارومدار علم پر ہے۔ علوم وفنون کی کوئی حد اور شمار نہیں لیکن اصل علم وہ ہے کہ جو اوپر سے آیا ہو اور جس سے خداوند ذوالجلال کی معرفت اور اس کی اطاعت اور عبودیت کا طریقہ معلوم ہو۔

علم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔علم دین ۲۔علم دنیا

علم دین سے وہ علم مراد ہے جس سے اللہ کی معرفت اور اس کے احکام کا علم حاصل ہو اور اس کی اطاعت کا طریقہ معلوم ہو اور علم دنیا سے وہ علم مراد ہے جو دنیاوی منافع کے حصول کا ذریعہ ہو اور علوم دینویہ کی بہت سی قسمیں ہیں جنہیں بعض تو شریعت کی نظر میں مباح اور جائز ہیں اور بعض مکروہ ہیں اور بعض حرام ہیں۔ جن کی تفصیل ''ردالمختار''[2] کے شروع ہی میں مذکور ہے۔

اور مسلمان کا مسلمان ہونے کی حیثیت سے علم دین مقصود اول ہے اور علم دنیا مقصود ثانوی کے درجہ میں ہے اور مومن اور کافر میں فرق یہی ہے کہ مومن صرف آخرت کو اپنا مقصود

---

[1] معاش: دنیا کی زندگی، مَعَاد: آخرت کی زندگی یعنی دنیا میں رہنا ہو یا آخرت میں رہنا ہو

[2] فقہ کی ایک عظیم کتاب ہے جو فتاویٰ شامی کے نام سے مشہور ہے۔

سمجھتا ہے اور دنیا کو آخرت کا تابع اور خادم سمجھتا ہے اور کافر کا مقصود بلکہ معبود ہی دنیا ہے اس کے دماغ میں آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ اسی وجہ سے کافر دنیوی ترقی کے حصول میں کسی جائز اور ناجائز اور کسی حلال وحرام کی تقسیم کا قائل نہیں کیونکہ حلال وحرام کی تقسیم اغراض دنیویہ کے حصول میں ایک روڑہ ہے۔

حضرات انبیاء کرام نے کافر سے جو جہاد کیا وہ ہرگز ہرگز دنیا کے لئے نہ تھا بلکہ "لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا" "تاکہ اللہ کا بول بالا ہو اور اس کا کلمہ بلند ہو"۔ حضرات صحابہ نے جو قیصر وکسری کا تختہ الٹا اور ان کے تاج اور تخت پر قبضہ کیا۔ ان کا مقصود دنیا اور دنیا کی حکومت اور سلطنت نہ تھی۔ مقصود تو فقط دین تھا اور یہ تمام تر جد وجہد دین کی حفاظت اور اس کی عزت اور تقویت کے لئے تھی۔ یہ تمام حضرات تو دنیا کو تین طلاق مغلظہ دے چکے تھے اور دین کے دیوانہ بنے ہوئے تھے۔ قیصر وکسری کا تختہ اس لئے الٹا کہ دین اور دین والے اعداء اللہ کی دَست بُرد (عمل دخل، خیانت) سے محفوظ ہو جائیں اور احکام خداوندی کے اجراء اور تنفیذ میں کوئی روڑہ اٹکانے والا نہ رہے۔ مسلمان اس لئے حکومت اور سلطنت حاصل کرتا ہے کہ اللہ کا دین عزت پائے اور کوئی اس کو ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھ سکے۔ حکمِ خداوندی کے اجراء اور تنفیذ کے لئے راستہ صاف ہو جائے۔

اور کافر اس لئے حکومت حاصل کرتا ہے کہ اس کے اغراض ومقاصد اور اس کے جذبات وشہوات اور اس کی ستم رانی اور من مانی خواہشوں کے لئے میدان صاف ہو جائے۔ اس لئے اسلامی حکومت کے حکام اور امراء کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ دین اور علوم دینیہ کی عزت اور حفاظت کے لئے کسی خدمت سے دریغ نہ کریں۔

میں اپنے اُمراء اور حکام سے بصد ادب یہ گذارش کروں گا کہ خزانہ شاہی کو خزانہ خداوندی سمجھیں اور علوم دینیہ کی خدمت اور اعانت کو اپنا اولین فریضہ جانیں اور دینی درسگاہ کو

دنیوی درسگاہ سے کہیں بہتر اور برتر سمجھیں۔

دین کی حفاظت سب کے ذمہ لازم ہے

علمِ دین تمام مسلمانوں کی ایک مشترک جائداد ہے اور ظاہر ہے کہ مشترک چیز کی حفاظت تمام شرکاء پر لازم اور ضروری ہوتی ہے اور اگر کوئی خدانخواستہ یہ کہے کہ میں اس جائیداد میں شریک اور حصہ دار نہیں تو ہمارا اس سے کوئی خطاب نہیں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس شخص سے کبھی علم دین کی حفاظت کے بارہ میں کوئی حرف نہیں کہیں گے لیکن کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کہ وہ یہ کہنا گوارا کرے اور انشاء اللہ کوئی بھی اس کو گوارا نہ کرے گا۔ معلوم ہوا کہ علم دین کو سب اپنی مشترک جائیداد سمجھتے ہیں لہذا حفاظت بھی سب کے ذمہ ضروری ہوگی۔

کیا علم دین ترقی سے مانع ہے

جدید تعلیم یافتہ حضرات کا یہ خیال ہے کہ علم دین دنیاوی ترقی سے مانع ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے جو دنیوی ترقی کی۔ یورپ بھی اس کو حیرت اور استعجاب کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اگر کتاب وسنت اور علمِ شریعت ترقی کا مانع ہوتا تو حضرات صحابہ کبھی اس طرف نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھتے اور قیصر وکسریٰ کا تختہ اُلٹنے کے لئے ان کے قدم نہ اُٹھتے۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ دنیاوی ترقی کا دار و مدار چار چیزوں پر ہے ایک زراعت۔ دوم صنعت و حرفت۔ سوم تجارت۔ چہارم اجارہ یعنی ملازمت اس وقت تمام حکومتوں کا پہیہ انہی چار چیزوں پر گھوم رہا ہے۔

شریعت نے ان میں سے کسی چیز کو بھی منع نہیں کیا بلکہ ان تمام امور کو مسلمانوں کے لئے فرض علی الکفایہ قرار دیا کہ اگر بستی کے تمام مسلمان زراعت یا صنعت وحرفت کو ترک کر دیں تو سب گناہ گار ہوں گے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کسب معاش میں مختلف طریقے رہے ہیں۔حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام زراعت فرماتے تھے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام اُجرت پر بکریاں چراتے تھے۔
حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے تاکہ جہاد میں دشمن کے وار سے بچاؤ ہو سکے۔
قرآن کریم میں ہے:

{وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمْ اَللهُ يَعْلَمُهُمْ} (سورۃ الانفال آیت ٦٠)

"اور کافروں کے لڑائی اور مقابلہ کیلئے جو قوت اور طاقت تم فراہم کر سکتے ہو وہ کر گذرو مثلاً گھوڑے پالو اور ہتھیار جمع کرو۔غرض یہ کہ اتنی قوت جمع کرو کہ جس سے تم اللہ کے دشمنوں کو مرعوب اور خوف زدہ بنادو اور دوسری حکومتوں پر بھی اپنا رعب جمادو کہ جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ان کو جانتا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم پر کافروں سے جہاد فرض ہے اور سامانِ جہاد کا فراہم کرنا بھی تم پر فرض ہے۔آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں گھوڑے کی سواری اور شمشیر زنی اور تیر اندازی سامانِ جہاد تھا اور آج کل بندوق اور توپ اور ہوائی جہاز اور آبدوز کشتیاں وغیرہ سامانِ جہاد ہیں۔لہٰذا اس قسم کے سامان کی فراہمی بھی اس آیت کے تحت داخل ہوگی اور عین منشا خداوندی ہوگی۔

تیر اور تلوار کا بنانا اور تیر اندازی کی مشق کرنا۔گھوڑوں کو جہاد کے لئے تیار کرنا، دشمنوں کے مقابلہ کے لئے خندقیں کھودنا اور جنگ میں منجنیق کا استعمال کرنا۔ان تمام امور کی

ترغیب اور تاکید احادیث میں بکثرت آئی ہے۔ان سب آیات اور احادیث کا مطلب ہی یہ ہے کہ دشمنان خدا کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے جس قدر مادی طاقت اور قوت فراہم کرسکو اس میں دریغ نہ کرو۔

ان دوسو سال میں اسلامی حکومتوں پر جو زوال آیا اس کا بڑا سبب وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ کے حکم سے غفلت ہے۔اگر اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کرتے تو ذلت کے یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ترقی کا دارومدار جن امور پر ہے۔شریعت نے خود ان کی تاکید کی ہے۔انگریزی تمدن اور نصرانی وضع و قطع پر ترقی موقوف نہیں۔اور اے میرے عزیزو! یہ خوب سمجھ لو کہ شریعت نے بلاشبہ جہاد اور قتال کا حکم دیا اور اسلامی حکومت اور سلطنت حاصل کرنے کی تاکید کی مگر مقصود خود سلطنت نہیں بلکہ مقصود بالذات دین ہے اور سلطنت اس کی حفاظت کیلئے ہے۔

{أَلَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ}
(سورة الحج، ۲۲:۴۱)

”مسلمانوں کو اگر ہم زمین میں قوت اور اقتدار عطا کریں یعنی بادشاہی اور فرماں روائی ان کو عطا کریں تو یہ صحابہ کی جماعت خاص طور پر اقتدار ملنے کے بعد خدا سے غافل نہ ہوں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں اور راور دوسروں کو ہر بھلی بات کا حکم دیں گے اور ہر بری بات سے منع کریں گے اور ہر کام کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے“۔

اسلامی تہذیب وتمدن اور نئی تہذیب اور تمدن کی تعریف

اسلام میں تہذیب اس کا نام ہے کہ نفس کا اخلاقِ رذیلہ سے تزکیہ اور اخلاق جمیلہ سے اس کا تحلیہ و آراستہ (مزین، سجانا، سنوارانا) کر دیا جائے اور جدید اصطلاح میں تہذیب اس کا نام ہے کہ وضع قطع نصرانی ہو، کھڑے ہو کر پیشاب کریں بجائے مسجد کے سینما جایا کریں اور عورتوں کو بے پردہ سیر گاہوں میں لے جائیں۔ ان حضرات کے نزدیک جو اخبار اور ناول پڑھے وہ تو قابل اور فاضل ہے اور جو قرآن اور حدیث پڑھے وہ بے وقوف اور جاہل ہے۔ اے میرے عزیزو! یہ نہایت ہی سخت الفاظ ہیں اگر خدا اور اس کے رسول سے کوئی تعلق ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایک دن اللہ اور اس کے رسول کو منہ دکھانا ہے تو مجھ کو آپ سے شکوہ اور شکایت کا حق ہے ورنہ پھر کوئی شکایت نہیں۔

اور اسی طرح شریعت میں تمدن باہمی تعاون کا نام ہے اور متمدن اقوام کی نظر میں عیش وعشرت کے سامان فراہم کرنے کا نام تمدن ہے جس میں جائز اور ناجائز اور صدق اور کذب اور امانت اور خیانت کی کوئی تقسیم نہ ہو۔ سرمایہ جمع ہونا چاہئے، خواہ وہ ظلم وستم سے ہو یا رشوت سے ہو یا کسی حیلہ اور تدبیر سے ہو۔ ووٹ اور نوٹ مقصود ہیں، لوٹ اور کھسوٹ سے بحث نہیں۔

شریعت ان تمام امور کو حرام اور ناجائز اور بدترین اخلاق اور اعمال قرار دیتی ہے ذرا انصاف سے فرمائیں کہ کیا ان اخلاق اور اعمال سے کوئی دنیاوی ترقی ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ یورپ کے مبصر اور مدبر خود چیخ رہے ہیں کہ یہ نئی تہذیب ہم کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ نئی تہذیب نہیں۔۔۔ بلکہ نئی قسم کی تعذیب (عذاب دینا) ہے۔

عربی تعلیم

عربی زبان، آسمانی زبان ہے۔ تمام فرشتے عربی ہی میں کلام کرتے ہیں۔ احکم

الحاکمین کا آخری قانون یعنی قرآنِ کریم اسی زبان میں اُترا اور آخری نبی اور آخری رسول بھی رسول عربی آئے۔ ہر حکومت کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے کہ اسی زبان میں حکومت کے تمام قوانین اور فرامین جاری ہوتے ہیں اور تمام دفتری مراسلت اسی زبان میں انجام پاتے ہیں۔ اگرچہ رعایا کی زبان دوسری ہو۔

آپ نے دیکھا ہے کہ انگریزی دورِ حکومت میں وائسرائے کو یہ اجازت نہ تھی کہ ہندوستان ہی کے دربار میں انگریزی کی بجائے اُردو میں تقریر کرے۔ خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ وائسرائے کی تقریر تو انگریزی ہی میں ہوگی جس کو تقریر سمجھنے کا شوق ہو وہ خود انگریزی سیکھے یا کسی انگریزی دان کی طرف رجوع کرے یہی وجہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کا خطبہ عربی ہی زبان میں پڑھنا واجب کیا گیا۔ اس لئے کہ عربی زبان سرکاری زبان ہے. کوئی سمجھے یا نہ سمجھے. خطبہ تو عربی ہی میں ہوگا۔

صحابہ کرامؓ نے ہزار ہا بلادِ عجم کو فتح فرمایا مگر جہان کے لوگ دین اسلام سے بالکل ناواقف تھے مگر باوجود اس کے خطبہ عربی ہی زبان میں پڑھا گیا۔ اسی بناء پر ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے غیر عربی زبان میں خطبہ کو بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے اور تیرہ سو سال سے مشرق اور مغرب اور شمال جنوب کے مسلمانوں کا تعامل اور توارث اسی طرح چلا آرہا ہے کہ خطبہ عربی ہی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ چند سالوں سے اُردو میں خطبہ پڑھنے کی بدعت رائج ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس بدعت سے پناہ دے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبوا العرب لثلاث لانی عربی والقرآن عربی وکلام اهل الجنة عربی۔

(اخرجه الطبرانی والحاکم والبیهقی فی الشعب کذا فی الکنز، ص ۲۰۴، ج ۶)

"ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین وجوہ کی بناء پر عرب کو محبوب رکھو اول تو یہ اس لئے کہ میں عربی ہوں

دوم اس لئے کہ قرآن عربی ہے اور سوم اس لئے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے"۔ (طبرانی وحاکم وبیہقی)

نیز روایات سے ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اتارے گئے اور عرصہ تک عربی ہی بولتے رہے۔ اِمتِدَادِ زمانہ (زیادہ عرصہ گزر جانا) کے بعد اُن کی اولاد مختلف زبانیں بولنے لگی معلوم ہوا کہ ہندوستان کی اصل زبان عربی ہے۔

نیز آج کل یہ مسئلہ بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ تمدن اور اخلاق و اعمال کی ترویج اور اشاعت میں زبان سے بڑھ کر کوئی شے ممد اور معاون نہیں۔ ہندوستان میں انگریز آیا۔ اس نے اپنی تہذیب اور تمدن کے رائج کرنے کے لئے انگریزی کالج اور اسکول کھولے اور انگریز اپنے مقصد میں جس حد تک کامیاب ہوا وہ اظہر من الشمس (سورج سے زیادہ روشن) ہے۔ انگریزی تہذیب اور تمدن اتنا غالب آیا کہ مسجد اور مدرسہ کے بوریا نشینوں کو مسجد کا مینڈھا کہنے لگے اور یہ خیال نہ کیا کہ مسجد کا "مینڈھا" دنیا کے "کتے" سے بہتر ہے اور نہ یہ خیال کیا کہ اگر موٹر اور بنگلے والے فرعون اور ہامان کے علم کے حامل ہیں تو یہ لنگی والے بوریہ نشین کملی والے نبی کے علم کے وارث ہیں۔ بے شک اس گروہ میں ہزار ہزار عیب ہیں مگر یہ یاد رہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دربار کے چپڑاسی اور چوب دار (نقیب۔ وہ نوکر شاہی جو سواری کے آگے چلتا ہے) ہیں۔ کسی نے کسی مولوی یا ملا کو محض مولوی اور ملا ہونے کی وجہ سے کچھ کہا تو من جانب اللہ اس پر مقدمہ قائم ہو جائے گا کہ تم نے خدائی منادی اور دین اسلام کا ڈھنڈورا پیٹنے والے کی کیوں تحقیر (بے قدری۔ بے حرمتی۔ حقیر سمجھنا) کی۔ عالم دین کے محض عالم دین ہونے کی وجہ سے تحقیر درحقیقت علم دین کی تحقیر ہے۔

اور آج کل بھارت سرکار نے ہندی زبان کو اس لئے سرکاری زبان قرار دیا ہے تاکہ چند روز بعد ہندوستان سے خدانخواستہ اسلامی تہذیب ختم ہو جائے اور تمام اقلیتیں ہندوانہ

تہذیب اور تمدن کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آئیں۔ اَللّٰھُمَّ احفَظنَا مِن ذٰلِکَ

اسی طرح عربی زبان کو سمجھو کہ جب عربی زبان کو پڑھو گے اور سیکھو گے تو اخلاق خداوندی اور فرشتوں کے انوار و برکات اور نبی امی فداہ نفسی اور اس کے صحابہ و تابعین کے فضائل و کمالات کا عکس تمہارے قلوب پر پڑے گا جس کا ادنی کرشمہ یہ ہوگا کہ اس وقت کے قیصر و کسریٰ کے خزائن کی کنجیاں تمہارے ہاتھوں میں ہوں گی اور آخرت کی عزت و رفعت تو وہم و گمان سے بالا اور برتر ہے۔

اے میرے عزیزو! یہ نہ سمجھو کہ اس زمانہ کے قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹنا ناممکن ہے۔ یہ خیال غلط ہے وہی روش اختیار کرو۔ پھر وہی ہو سکتا ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر ونشاں است [۱]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لن یفلح آخر ہذہ الا اللہ الا بما افلح اولھا"

"اس امت کے پچھلے لوگ فلاح نہیں پا سکتے۔ مگر جس چیز سے پہلے لوگوں نے فلاح پائی ہے۔ صحابہ کے طریقہ پر چلو انشاء اللہ صحابہ جیسی کامیابی حاصل ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ عربی زبان احکم الحاکمین کی سرکاری زبان ہے۔ آسمانی دفتروں میں یہی زبان رائج ہے۔ امورِ خداوندیہ کی تمام تر کتابت عربی ہی زبان میں ہوتی ہے اس لئے باجماع فقہاء اور ائمہ مجتہدین عربی زبان کا سیکھنا فرض علی الکفایہ ہے اور قبر میں جو سوال و جواب ہوگا وہ عربی ہی میں ہوگا۔ نکیرین آ کر یہ سوال کریں گے "مَن رَبُّکَ وَمَا دِینُکَ" انگلستان کے مُردے بھی عالم برزخ میں پہنچ کر عربی زبان سمجھنے لگیں گے اور عربی ہی میں جواب دیں گے۔

---

[۱] ابھی رحمت کا بادل لرزاں ہے، شراب کا مٹکا اور شراب خانہ برابر موجود ہے۔

نصاب تعلیم

قبل اس کے ہم نصاب تعلیم پر غور کریں ہمیں یہ سوچنا اور غور کرنا ہے کہ سرور عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعثت کی غرض و غایت کیا ہے تاکہ اس غرض کو پیش نظر رکھ کر نصاب تعلیم بنایا جائے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

{هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ} (الجمعة ۶۲:۲)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے''۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ بعثت نبوی کے مقاصد یہ ہیں:

تلاوت قرآن جس میں حفظ قرآن اور تجوید قرآن دونوں آگئے اور تعلیم الکتاب والحکمۃ سے تعلیم قرآن و حدیث مراد ہے اور تعلیم کے معنی تفہیم اور تلقین یعنی مطلب اور معنی سمجھانے کے ہیں اس میں فن تفسیر و حدیث آگیا۔

تیسرے تبلیغ دین اس میں شعبہ تبلیغ اور اہل باطل سے تقریری اور تحریری اور وعظ اور تلقین مناظرہ اور مجادلہ بھی آگیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں:

''کہ جو امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت نبوت و رسالت انجام دیئے ہیں وہ یہ ہیں۔ اقامتِ دین اور ترویج ملت اور اقامتہ جہاد

بدشمنانِ دین اور اقامت حدود شرعیہ اور اقامت ارکان اسلام اور احیاءعلوم دینیہ مانند قضاء وافتاءوغیرہ وغیرہ ہے''۔

یہ ہے اجمال ان مقاصد اور اغراض کا جن کی تکمیل کے لئے حق جل وعلا نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اہل فہم پر مخفی نہیں کہ ان میں بعض مقاصد کی تکمیل سلاطین اور امراء سے متعلق ہے اور بعض کی علماء اور صلحاء سے مثلاً تمکین دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد و قتال بدشمنان دین اور حفاظت بلادِ مسلمین از دست بردِ کافرین اور اقامت حدود شرعیہ اور تنفیذ احکام الٰہیہ یہ فریضہ اور وظیفہ سلاطین اور امراء کا ہے۔

اور احیاء علومِ دینیہ اور تعلیم کتاب وسنت افتاء اور قضاء اور وعظ اور تلقین اور مسلمانوں کی دینی تربیت یہ علماء کا فریضہ ہے۔ ہر ایک سے اپنے فریضہ کے متعلق قیامت میں سوال ہو گا کہ اپنے فریضہ اور وظیفہ کو کس حد تک انجام دیا۔

علماء کا گروہ چونکہ فقراء کا گروہ ہے اور احیاء علومِ دینیہ اور تعلیم قرآن وحدیث سرکاری کام ہے لیکن احکم الحاکمین اور رب العالمین کا کام ہے بغیر مالی امداد کے یہ کام نہیں چل سکتا لہذا سلاطین اور امراء جو کہ خزانہ خداوندی کے خازن اور امین ہیں۔ ان کو اس سرکاری کام میں بیش از بیش خدمت اور اعانت میں کسی قسم کا دریغ اور تامل نہ ہونا چاہئے اور ان کو یہ اندیشہ رہنا چاہئے کہ مبادا یہ علماء اور فقراء کی جماعت بارگاہ احکم الحاکمین میں یہ شکایت نہ کر دے کہ اے پروردگار ہم کو تیری دین کی تعلیم کے لئے مالی امداد کی حاجت تھی مگر حکام اور امراء نے خالص تیری دین کی تعلیم کے لئے اس رقم کا چالیسواں حصہ بھی نہ دیا کہ جو دنیا کی تعلیم کے لئے دیدیتے ہیں اور اگر دینی تعلیم کے لئے دیتے ہیں تو اس میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم بھی داخل نصاب کرو۔ تب امداد خزانہ سے منظور ہوگی۔

''اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان''

خلاصۂ کلام

یہ کہ نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں بعثتِ نبوی کے اغراض و مقاصد پورے ہوسکیں یعنی کتاب وسنت کی صحیح تعلیم دے سکیں اور قضاء اور افتاء کے فرائض انجام دے سکیں اور مسلمانوں کو وعظ اور تلقین کرسکیں اور اہل باطل کوتبلیغ اور ان سے مناظرہ کرسکیں جوکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اولین فرض رہا ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے مناظرے، نمرود اور فرعون سے مناظرے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

میرا مقصد یہ نہیں کہ انگریزی تعلیم نہ دی جائے یا انگریزی کی تعلیم ناجائز ہے اگر اسلامی سلطنت کی ضرورت کے لئے انگریزی پڑھی جائے تو وہ فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب کے درجہ میں ہوسکتی ہے بشرطیکہ فقط زبان مقصود ہو۔ نصرانیت کے رنگ سے پاک ہو میرا مقصد فقط اتنا ہے کہ عربی تعلیم کو انگریزی تعلیم کے ساتھ مشروط اور مخلوط نہ کیا جائے۔ عربی علیحدہ پڑھی جائے اور انگریزی علیحدہ۔ عربی اور انگریزی کی مخلوط تعلیم سے دین کا رنگ باقی نہیں رہتا۔ الذین انعمت علیھم کا صراط (راستہ) مغضوب علیھم اور ضالین کے راستہ سے بالکل مغایر اور مباین (مخالف) ہے جو لوگ نظریہ کے امتزاج کے قائل ہیں وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ ضدین کا امتزاج عقلاً محال ہے۔

مدت تعلیم

تعلیم کی مدت نہ تو اتنی طویل ہو کہ جس سے متعلم بھی گھبرا جائے اور والدین پر مصارفِ تعلیم کا بار طویل اور ثقیل ہو جائے اور نہ مدت اتنی قلیل ہو کہ تعلیم برائے نام ہو۔ سند اور

ڈگری تو مل جائے مگر قابلیت نہ ہو۔ متوسط اور معتدل مدت آٹھ سال ہیں اور دو سال درجہ تکمیل کے لئے مناسب ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس مدین تشریف لے گئے تو آٹھ سال قیام کے لئے تجویز فرمائے اور یہ فرمایا کہ دس سال پورے کردو تو زیادہ بہتر ہے۔

کما قال تعالیٰ حاکیا عنہ:

"ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ" (قصص ۲۸:۲۷)

نصاب کیسا ہونا چاہیے

تعلیم دین کے نصاب میں امور ذیل کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ نصاب میں ایسی کتابیں داخل کی جائیں کہ ان کے مصنفین کا علم اور تقویٰ امت میں مسلم ہو تاکہ ان کی برکات بھی تعلیم میں معین اور مددگار ہوں۔

۲۔ کتابیں مختصراً اور جامع ہوں جس سے ٹھوس استعداد پیدا ہو۔

۳۔ ایسی سہل اور سلیس کتابیں نصاب تعلیم میں نہ رکھی جائیں کہ جن کو طلبہ خود مطالعہ سے حل کر سکیں۔ ایسی کتابوں سے نہ تو استعداد پیدا ہوتی ہے اور نہ طلبہ ایسے اسباق میں حاضری کا التزام کرتے ہیں۔ طلبہ اپنے آپ کو استاد سے مستغنی سمجھتے ہیں جس سے ایک طرف تو ان کی غیر حاضری سے استاد کی دل شکنی ہوتی ہے اور دوسری طرف مدرسہ کا وقت ضائع اور بے کار جاتا ہے۔

۴۔ جدید فلسفہ اور سائنس اور جغرافیہ اور تاریخ بھی اگر داخل نصاب کر لی جائے تو شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم دینی تعلیم کے تابع ہو۔ دوم یہ کہ اس کتاب کی زبان مَغضُوبِ عَلَيهِمْ اور ضَالِّينَ کی زبان نہ ہو یعنی یہود اور نصاریٰ کی زبان نہ ہو۔ سوم یہ کہ اس جدید فلسفہ کے استاد کا

رنگ اسلامی ہو۔ انگریزی نہ ہو۔ "صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً" اور قرآن وحدیث کافروں کے تشبہ کی ممانعت سے بھرا پڑا ہے۔

اقسام مدارس

ہندوستان میں ۵۷ کے بعد تین قسم کے مدرسے قائم ہوئے:

قسم اول

وہ ہے کہ جس کا مقصد فقط علوم دینیہ کا بقاء اور تحفظ ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلا مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ جس کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے رکھا۔ وہ چشمۂ علم اب تک جاری ہے اور ہزارہا علماء وصلحاء اس سے پیدا ہوئے اور دوسرا مدرسہ، مدرسۂ مظاہر علوم سہارنپور ہے جس کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی قدس اللہ سرہٗ نے رکھا اور تقسیم ہند کے بعد جولاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اعظم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے ایک مدرسہ دینیہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے قائم کیا وہ اسی قسم کا مدرسہ ہے۔

قسم دوم

دوسری قسم مدارس کی وہ ہے کہ جن کے قیام کا مقصد فقط دنیاوی ترقی اور موجودہ حکومت کے نظام میں دخیل ہونا اور اس کے چھوٹے اور بڑے عہدوں پر علی حسب القابلیت فائز اور ممتاز ہونا اس سلسلہ میں سب سے پہلا مدرسہ علی گڑھ کالج ہے جس کا سنگِ بنیاد سر سید نے رکھا۔ اس کا بانی بھی اپنے مقصد میں بہت کچھ کامیاب رہا۔ ہزاروں مسلمانوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور اس میں بڑے بڑے قابل ہوئے اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ اس قسم کے مدارس "وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ

العِلمِ" کا مصداق ہوئے اور حسب ارشاد باری مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِیْهَا مَنْ نَشَآئُ لِمَنْ نُرِیْدُ۔ (سورۃ ھود) دنیا میں اس کا ثمرہ ان لوگوں کو مل گیا جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا۔

دارالعلوم دیوبند اور علیگڑھ کالج میں فرق

ایک فرق تو پہلے ہی واضح ہو چکا کہ علی گڑھ کالج کا مقصد فقط دنیا تھی اور دارالعلوم کا مقصد صرف آخرت تھا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ علی گڑھ کالج کی تعلیم کا دائرہ فقط ہندوستان تک محدود رہا اور دارالعلوم کی تعلیم کا افادہ فقط ہندوستان تک محدود نہیں رہا چین اور بخارا اور سمرقند اور روس اور ترکستان کے طالب بھی دارالعلوم میں علم حاصل کرنے کے لئے آئے۔ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جہاں سے علم کا چشمہ جاری ہوا تھا۔ وہاں کے طالب بھی دارالعلوم دیوبند میں کتاب اور سنت قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ فللہ الحمد والمنته وذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء مگر علی گڑھ کالج میں یورپ سے انگریزی کا علم حاصل کرنے کے لئے کوئی طالب نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ دارالعلوم علم کا ایسا خزانہ اور مخزن ہے کہ جو وادیٔ مقدس اور بقعہ مبارک علم نبوی کا سرچشمہ اور معدن ہے اور وہاں کے رہنے والے دارالعلوم دیوبند کے خزانہ سے علمی جواہرات حاصل کرنے کے لئے شدِ رحال [۱] کرکے دیوبند پہنچے۔

ایں کرامت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ [۲]

غرض یہ کہ دارالعلوم دیوبند سے علم دین کا ایک چشمہ جاری ہوا کہ جس سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں علم پہنچا۔

---

[۱] شدِ رحال یعنی کجاؤں کو باندھنا، زین کسنا، سفر سے کنایہ ہے۔

[۲] یہ کرامت بازو کی طاقت سے نہیں ہے۔ جب تک دینے والا خدا نہ دے دے۔

۵۷ ء میں جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا تو علماء ربانین کو یہ فکر ہوئی کہ خیر ہماری بداعمالی اور عیش پرستی کی وجہ سے اور بدقسمتی اور غفلت سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا اور نصرانی پنجہ کا ہم شکار ہو گئے۔ مگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ مسلمانوں کے اسلام کا بھی خاتمہ ہو جائے اور خدانخواستہ اور خدانخواستہ فرزندانِ اسلام اپنی جہالت اور علم دین سے بیگانگی کی وجہ سے نصرانیت کا شکار نہ بن جائیں۔ خصوصاً جب کہ نصرانیت کے صیاد (شکاری) ہر طرف سے زن اور زر کا جال بچھائے شکار کی تاک میں کھڑے ہوئے ہیں۔

اس وقت کے علماء ربانین نے اس ضرورت کو محسوس کر کے مدارسِ اسلامیہ اور عربیہ کی بنیاد ڈالی اور مسیحیت کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔ پادریوں سے تقریری اور تحریری مناظرے کئے اور نصرانی مذہب کی تردید اور اس کے اصول و فروع کے ابطال میں ایسی مدلل اور مکمل کتابیں تصنیف فرمائیں کہ جن کی نظیر بسیط ارض پر نہیں۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مرقدوں کو منور فرمائے کہ جب تک زندہ رہے اپنی تقریروں اور مناظروں سے مسیحیت کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اسلام اور ایمان کے محافظ اور پاسبان بنے رہے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو آنے والے علماء کو اپنی تصنیفات و تالیفات کا وارث بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے تاکہ آنے والے علماء ان ہتھیاروں سے نصرانیت کا مقابلہ اور اسلام کی حفاظت اور پاسبانی کر سکیں۔ ایک مسلمان حکومت کے زوال اور سلطنت کے سقوط پر صبر کر سکتا ہے مگر ایمان اور اسلام کی دولت کے زوال پر صبر نہیں کر سکتا۔ صبر تو زندہ کر سکتا ہے۔ مُردہ کے حق میں صبر کا مسئلہ جاری نہیں ہوتا۔ اسی طرح خدانخواستہ جب ایمان اور اسلام نہ رہا تو وہ مردہ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں مومن اور کافر کو بینا اور نابینا زندہ اور مردہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایمان اور کفر کو نور اور ظلمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر

عقلاء کے نزدیک ایک جاہل انسان مردہ اور حیوان کہلا سکتا ہے تو احکم الحاکمین اور رب العالمین کے منکر کو کیوں مردہ اور حیوان نہیں کہا جا سکتا اور کیا وجہ ہے کہ جاہل کو مردہ اور حیوان کہنا تو خلاف تہذیب نہ ہو اور خدا اور اس کے رسول کے منکر کو مردہ اور حیوان کہنا خلافِ تہذیب ہو جائے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ مدارسِ اسلامیہ اور عربیہ کا مقصد فقط اتنا تھا کہ ہندوستان میں اسلام اور علوم اسلامیہ کا تحفظ ہو جائے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ انقلاب حکومت کی وجہ سے مسلمان مسیحیت کے سیلاب میں بہہ جائیں۔ اسلام اور اسلامی تمدن کی حفاظت کے لئے یہ مدارس قائم کئے گئے اور چونکہ علم دین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی میراث ہے اور علماء کرام حضرات انبیاء اللہ کے وارث ہیں اس لئے ان حضرات نے اپنی تعلیم و تلقین میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھا کہ جس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کے علم کی تعلیم دی جائے۔ اس کے اساتذہ اور تلامذہ کے تمدن اور طرزِ معاشرت بھی اسی کملی والے نبی کا سا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دعویٰ تو ہو موسیٰ بن عمران کے تعلق اور محبت کا اور تمدن اور طرزِ معاشرت ہو فرعون اور ہامان کا، اور یَاأَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کملی والے اور گدڑی والے نبی ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جس طرح یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ اور یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ کا خطاب منصب نبوت اور رسالت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور اسی طرح یَاأَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کا خطاب، کمبل اور گدڑی کو فضیلت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے اصطلاحِ اولیاء میں سورہ مزمل کا نام ''سورۃ الخرقہ'' ہے جس میں خرقہ پوشی (چادر اوڑھنا) کے شرائط اور لوازم کا ذکر ہے۔

قسم سوم

مدارس کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو دینی اور دنیوی عربی اور انگریزی تعلیم سے

مرکب ہے۔ مولوی فاضل اور مولوی عالم کے کالج اسی قسم ثالث کے افراد ہیں۔ اس قسم کے مدارس کے بانیوں کا مقصد یہ تھا کہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم بھی جمع کر دی جائے چنانچہ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا۔ نصاب تعلیم میں علوم عربیہ اور دینیہ کی کتابیں زائد اور انگریزی فنون کی کتابیں کم رکھی گئیں تاکہ دین غالب رہے اور دنیا دین کی خادم اور تابع بن کر رہے۔ مگر اس قسم کے مدارس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ دین ہی حاصل ہوا اور نہ دنیا ہی ملی۔ اور مسلمانوں نے اس قسم کے مدارس کی اعانت اور امداد میں اپنی گاڑھی محنت اور خون پسینہ کی کمائی خرچ کی۔ وہ سب ضائع اور بے کار ہوگئی۔

ان مدارس سے نہ کوئی دین کا عالم مستند اور معتبر نکلا اور نہ کوئی انگریزی علوم وفنون کا قابل اور ماہر نکلا۔ ان مدارس کے سند یافتوں کی انگریزی قابلیت کا اندازہ تو انگریزی کے قابل اور ماہر لگائیں گے اور عربی قابلیت کا یہ عالَم ہے کہ جو ان مدارس سے جو حضرات مولوی فاضل کی سند لے کر آتے ہیں تو امتحان کے میدان میں یہ سند یافتہ فاضل فضول سے مشتق ثابت ہوتے ہیں اور علامہ الامہ ہوتے ہیں۔ علم کی بجائے الم سے مشتق ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر کا یہ حال ہے کہ عربی کی عبارت بلکہ بسا اوقات اپنی سند بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اب آپ انصاف فرمائیے کہ یہ حضرات مسلمانوں کے بچوں کو علوم دینیہ کی کیسے تعلیم دے سکتے ہیں۔

اور اسی قسم کا ایک مدرسہ جامعہ ملیہ ہے جو ڈاکٹر ذاکر حسین کی تجویز سے دہلی میں قائم ہوا اس کا حال بھی سب کے سامنے ہے نہ دین اور نہ دُنیا ہے اور آج اس کا بانی بھارت حکومت کا نائب صدر ہے اور دار دھا اسکیم کا مصنف ہے۔ اس سے دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

غرض یہ کہ اس نصف صدی میں جس قدر مدارس بھی اس نظریہ امتزاج کے ماتحت

قائم ہوئے۔ تجربہ سے وہ سب بے کار ثابت ہوئے اُن سے فارغ التحصیل نہ عالم دین بن سکا۔ نہ انگریزی کا گریجوایٹ ہوسکا۔

عربی اور انگریزی کی مخلوط تعلیم کے مفاسد

عربی مدارس میں طلبہ کے ساتھ جو رعایتیں ہوتی ہیں وہ انگریزی مدارس میں نہیں ہوتیں مثلاً امدادی وظائف اور قیام وطعام کا تکفل بلا کسی معاوضہ کے تکفل اور تعلیم کے لئے کتابوں کا مدرسہ سے مفت مستعار دیا جانا وغیر ذلک۔ اس لئے کہ ایسے لوگ کہ جو انگریزی تعلیم کے مصارف برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ عربی کا بہانہ بنا کر مدرسہ میں داخل ہوجاتے ہیں تاکہ مدرسہ عربیہ کی سہولتوں اور رعایتوں سے متمتع ہوکر انگریزی کی تیاری کریں۔ اور عربی کتابوں کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ اسباق کی حاضری برائے نام ہوتی ہے، اور مطالعہ اور تکرار کا تو نام بھی نہیں رہتا انگریزی تمدن ان پر غالب آجاتا ہے۔ اسلامی تمدن ان کی نظروں میں حقیر ہوجاتا ہے۔ صلحاء اور اتقیاء سے علیحدہ اور بے گانہ اور اہل دنیا اور امراء کی صحبت کو پسند کرتے ہیں۔ اور داڑھی منڈوانا اور کترانا اور سر پر انگریزی بال رکھنا ایک معمولی بات ہے اور پھر ان کے اختلاط سے دوسرے شوقین طلبہ بھی بدشوق بن جاتے ہیں۔ استاذ کی کوئی وقعت ان کی نظر میں نہیں رہتی مدرس کو اپنا خادم اور ملازم سمجھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استاذ کی نظر شفقت سے محروم ہوجاتے ہیں پھر علم کہاں سے آئے۔

إِنَّ الْعِلْمَ وَالطَّبِيبَ كِلَاهُمَا
لَا يَنْصَحَانِ إِذْ هُمَا لَمْ يُكْرَمَا

بے شک علم اور طبیب (حکیم، ڈاکٹر) دونوں جب تک
ان دونوں کو معزز نہ سمجھا جائے فائدہ نہیں دیتے۔

علاوہ ازیں داخلہ تو کسی درجہ میں ہے اور تیاری دوسرے درجہ کے امتحان کی ہے۔

نام تو ایک درجہ کا اور کام دوسرے درجہ کا۔ پھر واسطہ در واسطہ، سفارشوں سے کامیابی کی سند حاصل کرتے ہیں۔ جب مدرسہ سے سندِ فراغ لے کر نکلتے ہیں تو عربی کی کوئی قابلیت اور استعداد ان میں نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ زمانہ تعلیم میں ان کی تمام تر توجہ انگریزی پر رہی اور عربی کی طرف برائے نام، اور اسی وجہ سے سر سے پیر تک انگریزی رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ مُدَرِّس کی بجائے پروفیسر اور وعظ کی بجائے لیکچر کا لقب ان کو محبوب اور مرغوب ہوتا ہے۔

مولوی فاضل کی جماعتوں کی وجہ سے تعلیم میں ایک نقصان یہ پیش آتا ہے کہ طلبہ کتابوں پر جلد از جلد عبور کرنے کے لئے مدرسین سے اصرار کرتے ہیں کہ امتحان سے تین چار ماہ قبل ان کو تعلیم سے فارغ کر دیا جائے۔ اس میں ایک طرف تو تعلیمی کیفیت خراب ہوئی اس لئے کہ تعلیم کم راسحاب ہوئی اور دوسری طرف یہ خرابی آئی کہ مدرسہ تین چار ماہ تک تعلیم سے ویران رہا۔ طلبہ نے مدرسہ سے تو تعلیم کی چھٹی لے لی اور جو وقت فارغ ملا وہ کھیل اور تماشوں میں خرچ کیا علم اور نماز سے آزاد ہو گئے۔

غرض یہ کہ اس طرح کی مخلوط تعلیم سے ایک طرف تو عربی کے اساتذہ کی محنت ضائع اور رائگاں گئی اور دوسری طرف وہ اوقات جو عربی اور دینی تعلیم کے لئے وقف ہوئے تھے وہ سب بے محل صرف ہوئے اور مسلمانوں کو جو اُمید تھی کہ یہ نوجوان دینیہ پڑھ کر ہماری رہنمائی کریں گے، ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور چونکہ ان میں عربی اور دینی علم کی قابلیت نہیں ہوتی اس لئے وہ بجائے اسلامی مدارس کے سرکاری دفاتر کی خدمت کو اپنے لئے باعث عزت و فخر سمجھتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر قدیم طرز کی درسگاہیں نہ ہوتیں تو اس وقت قرآن وحدیث کا صحیح مطلب بتلانے والے اور حلال وحرام کا صحیح فتوے دینے والا بھی کوئی نہ ملتا۔

علم دین کا اپنی اصلی ہیئت اور رنگ میں باقی رکھنا اور کفر اور شرک کے زنگ اور دھبہ سے اس کا پاک رکھنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ دو مختلف نوع کی تعلیم کو ایک جگہ کرنا دونوں کو بے سود اور بے کار بنایا ہے۔ انگریزی میں جب کمال حاصل کرنا ہوتا ہے تو لندن اور پیرس جاتے ہیں تا کہ انگریزی کے سوا کوئی دوسرا ماحول ہی نہ ہو۔ اسی طرح اگر علماء یہ خواہش کریں کہ عربی کی تعلیم کو غیر عربی کے ساتھ مخلوط نہ کیا جائے تو کیا بے جا ہے۔

انگریزی تعلیم

آیات اور احادیث میں جو علم کے فضائل آئے۔ انگریزی تعلیم کے دلدادہ حضرات ان کو انگریزی پر جاری کرتے ہیں اور یہ حضرات اس کے متعلق ایک حدیث تو خاص طور پر پیش کیا کرتے ہیں۔

''اطلبوا العلم ولو بالصین''

''علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو''۔

گویا کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن اور حدیث میں جہاں تحصیل علم کی ترغیب آئی ہے۔ وہاں اللہ اور اس کے رسول کا علم مراد نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کا علم مراد ہے کہ حرمین اور ارض مقدس کا علم مراد نہیں بلکہ لندن اور پیرس کا علم مراد ہے اور ان تمام آیات و حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نہ قرآن پڑھو اور نہ حدیث پڑھو، بلکہ انگریزی علوم و فنون پڑھو اور علوم جدیدہ کو حاصل کرلو۔ العیاذ باللہ۔ قرآن پڑھنے سے ان کے نزدیک آدمی جاہل اور وحشی بنتا ہے اور انگریزی علوم وفنون پڑھنے سے فاضل اور متمدن بنتا ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون یہ انگریزی عشق کی انتہا ہے اور اس کا مصداق ہے۔

ہر چہ از دور پیدا می شود پندارم توئی[1]

---

[1] ہر چیز دور سے ظاہر ہوتی ہے، میں تجھے نصیحت کر رہا ہوں یعنی اندر گھسنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں علم سے علم شریعت مراد ہے اور علم شریعت وہ ہے کہ جس سے حق و جلا کے قرب اور اس کی بارگاہ تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہو۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

علمے کہ راہِ حق ننماید جہالت است [1]

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ انگریزی علم سے خدا کا قُرب ہوتا ہے یا بُعد۔ وصل ہوتا ہے یا فصل، آپ ہی فیصلہ کریں۔

فلسفہ اور تعلیم انبیاء میں فرق

فلسفہ بھی آسمان و زمین اور کواکب اور نجوم میں غور و فکر کی تلقین کرتا ہے اور قرآن و حدیث بھی آسمان و زمین میں تفکر اور تدبر کا حکم کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی بے شمار آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ شریعت اس لئے آسمان و زمین میں تفکر و تدبر کا حکم دیتی ہے تا کہ مصنوع کو دیکھ کر صانع اور خالق کا پتہ لگاؤ۔ خود کو آسمان اور زمین کی معرفت مقصود نہیں بلکہ آسمان اور زمین کے خالق کی معرفت مقصود ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

{إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ}

(آل عمران ۳:۱۹۰۔۱۹۱)

---

[1] یعنی وہ علم جو راہِ حق نہ دکھلائے، وہ جہالت ہے۔

”بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اور اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو، وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے“۔

اس آیت میں ان لوگوں کو اولو الالباب (اہل عقل) فرمایا ہے کہ جو لوگ آسمان اور زمین میں غور و فکر کر کے اپنے خالق کو پہچانیں اور یہ سمجھیں کہ جس ذات نے ان آسمانوں اور زمینوں اور لیل و نہار کو پیدا کیا ہے۔ اس کی عظمت و جلال کے سامنے سر جھکائیں اور اس کے عبادت اور اس کے ذکر و فکر میں لگے ہیں۔ لہٰذا جو شخص آسمان و زمین میں اپنے خالق کو پہچاننے کے لئے غور و فکر کرے تو وہ عاقل اور دانا ہے اور جس شخص کا مقصد غور و فکر سے محض آسمان کی و زمین کی معرفت حاصل کرنا ہو وہ خدا کے نزدیک عاقل اور دانا نہیں۔ اور فلسفہ اور سائنس کا مقصود محض آسمان اور زمین اور کواکب اور نجوم کی معرفت ہے۔ خالق کی معرفت سے ان کو کوئی واسطہ اور سروکار نہیں۔ قصرِ شاہی میں اگر کوئی مہمان آئے اور محل کی سیر کرے۔ تو مہمان تو شاہی محل کی تمام چیزوں کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ یہ تمام چیزیں بادشاہ کی شان و شوکت کا مظہر ہیں اور بادشاہ سے ان کا تعلق ہے۔ اس کا مطمح نظر (مرکزِ نگاہ، اصلی مقصد) بادشاہ ہے اور ان چیزوں کو محض اس لئے دیکھتا ہے کہ یہ تمام چیزیں بادشاہ کی شان و شوکت اور اس کی عظمت و جلال کا آئینہ ہیں۔

اور چور بھی شاہی محل میں داخل ہوتا ہے اور مہمان سے کہیں زیادہ غور و فکر سے شاہی محل کی چیزوں کو دیکھتا ہے لیکن بادشاہ سے اس کو تعلق نہیں ہوتا۔ محض وہ چیزیں ہی اس کا مطلوب اور مقصود ہوتی ہیں۔ نبی اور فلسفی میں یہی فرق ہے، خوب سمجھ لو۔

انگریزی تعلیم کا شرعی حکم

انگریزی تعلیم کا حکم شرعی یہ ہے کہ انگریزی اپنی ذات سے ایک زبان ہے اور باعتبار عرف کے ایک خالص نصاب کا نام ہے جو مختلف علوم وفنون کا حامل ہے۔ شریعت نے کسی زبان یا کسی علم وفن کا سیکھنا ممنوع قرار نہیں دیا لیکن قبائح (برائیوں) اور مفاسد کے مل جانے کی وجہ سے ممنوع ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ تعلیم انگریزی کا یہ لازم اثر ہے کہ وضع قطع شرعی نہیں رہتی۔ عقائد بھی متزلزل ہو جاتے ہیں۔ مغربیت کی محبت اور عظمت اس کی نظروں میں ایسی سما جاتی ہے کہ اسلام اور خلافت راشدہ اس کے مقابلہ میں اسے ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ حتی کہ اسلام اور مسلمانوں سے اس کو دلی ہمدردی نہیں رہتی۔ اسلامی تمدن کو حقارت اور نفرت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ احکامِ شرعیہ کی قلب میں کوئی وقعت نہیں رہتی۔ مسجد کی بجائے سینما اور قرآن کریم کی تلاوت کی بجائے ناول ان کو محبوب بن جاتا ہے حتی کہ رفتہ رفتہ مزاج ہی بدل جاتا ہے اور بجائے اسلامی مزاج کے مغربی مزاج ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام امور اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مبغوض (جس سے بغض رکھا جائے) اور ملعون (جس پر لعنت کی جائے) ہیں اور دین کی بربادی اور تباہی کا پورا سامان ہیں۔ ان قبائح اور مفاسد کی بناء پر علماء نے انگریزی تعلیم کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور اگر انگریزی تعلیم ان مفاسد سے خالی ہو تو پھر ناجائز نہ ہوگی بلکہ اگر کوئی شخص دنیاوی ضرورت سے انگریزی پڑھنا چاہے سو وہ ضرورت اگر شرعاً جائز ہو تو انگریزی پڑھنا جائز ہو گا ورنہ ناجائز ہوگا۔ اور اگر کسی دینی ضرورت سے انگریزی پڑھے مثلاً مخالفین کے اعتراضات کو جواب دینے کے لئے یا مخالفین کو دعوت اسلام دینے کے لئے پڑھے یا تاکہ کفار سے اسلامی حکومت کے معاملات میں مراسلت اور مکاتیب کر سکے تو یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ عین قربت و عبادت ہے اور اگر محض دنیوی ترقی کے لئے پڑھے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ انگریزی تعلیم فی حدِ ذاتہٖ[1] ناجائز نہیں۔ مفاسد اور قبائح کے مل جانے کی وجہ سے ممنوع قرار دی گئی ہے البتہ اگر کسی خاص طریقہ سے ان مفاسد کا انسداد ہو جائے اور اس تعلیم کی مضرت اکثریہ دفع ہو جائے تو اس وقت ممانعت بھی مرتفع ہو جائیں گی لیکن ظاہر اسباب میں ان مفاسد کے انسداد کی کوئی توقع نہیں۔ اس لئے ممانعت بھی مرتفع نہ ہو گی اور مضرت اکثریہ کے دفع ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی کہ کسی شے پر جو حکم لگایا جاتا ہے وہ غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ ایک دو فرد کا اعتبار نہیں۔ سَنکھیا (زہرِ قاتل) بعض اشخاص کو مضر نہیں ہوتا لیکن چونکہ عموماً مضر ہوتا ہے اس لئے اطباء اس پر مہلک ہونے ہی کا حکم لگاتے ہیں۔ شاذ و نادر صورت کو کالعدم اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ''لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ'' اور ''اَلنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ'' کی مثل مشہور ہو گئی۔[2]

انگریزی تعلیم کے مفاسد اور قبائح کی طرف ہم نے اجمالی اشارہ کر دیا جو امید ہے کہ اہل فہم اور اہلِ دانش کے لئے کافی ہو گا۔

دو چیزیں خاص طور پر ذکر کرتا ہوں وہ یہ کہ انگریزی تعلیم کا یہ خاص اثر ہے کہ ناول بینی اور سینما بینی کوئی قبیح اور خراب شے تو کیا ہوتی۔ عین تہذیب اور عین تمدن ہو جاتی ہے حالانکہ بد اخلاقی اور آوارگی اور بد اعمالی اور بد معاشی کے طریقے جس قدر ناول اور سینما سے معلوم ہوتے ہیں وہ کسی شے سے بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ ناول سے تو تحریری طور پر اخلاق سوز اعمال کے طریقوں کا علم حاصل ہوتا ہے اور سینما میں ان ہی بد اعمالیوں کو عملی طور پر دکھلا دیا جاتا ہے تعجب کا مقام ہے کہ کچہری اور سرکاری دفتر میں تو ناول بینی کی ممانعت ہو کہ

---

[1] فی حد ذاتہٖ: فی نفسہٖ، اصل میں بذات خود اپنی نوعیت کے اعتبار سے۔
[2] اکثریت کو دیکھتے ہوئے کل پر حکم لگا دیا جاتا۔ جبکہ کمیاب، نایاب کے حکم میں ہوتی ہے۔

سرکاری کام میں مخل ہے مگر درس گاہوں میں اس پر کوئی بندش نہ ہو۔

شریعت اسلامیہ میں جان دار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت ہے اور خاص کر عورتوں کی تصویریں بنانا تو اور بھی زیادہ حرام ہیں کیونکہ عورتوں کی تصویریں خاص طور پر تفریح اور تلذذ ہی کے لئے بنائی جاتی ہیں اور شریعت کی نظر میں عورتوں کی تصویروں سے تلذّذ بالنظر (آنکھوں سے لذت لینا، بدنظری کرنا) بھی حرام ہے۔ عورتوں کے حسن و جمال کو جس طرح زبان سے بیان کرنا حرام ہے اسی طرح قلم سے بھی اس کو بیان کرنا حرام ہے اور عجب نہیں کہ بیان قلم بیان زبان سے حرمت میں بڑھ جائے۔ شریعت نے تو اجنبی عورت کی کپڑوں کی طرف بھی نظر کرنا ممنوع قرار دیا ہے اس لئے کہ وہ شہوت کو برانگیختہ (ابھارنا) کرتا ہے۔

افسوس اور صد افسوس کہ اس زمانہ میں اس بے حیائی کو تہذیب اور تمدن سمجھنے لگے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کافروں کو کسی مسلمان عورت کے حسن و جمال کی مخبری کرائے تو اندیشہ ارتداد کا ہے۔ تو کیا باتصویر رسالے اور باتصویر اخبار جن میں مسلمان عورتوں کی بھی تصویریں ہوتی ہیں کیا اس کی قباحت اور مفاسد اور فتنہ ہونے میں اور تخریبِ اخلاق کا ذریعہ ہونے میں کسی عاقل کو شبہ ہو سکتا ہے؟

نظریہ امتزاج پر ایک نظر

بعض لوگوں کو بلحاظ ضرورتِ زمانہ یہ خیال آتا ہے کہ اگر عربی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم بھی شامل کر لی جائے تو قدیم اور جدید کے امتزاج سے مؤثر نتائج پیدا ہوں گے۔ دو تین سال ہوئے کہ بہاول پور میں جامعہ اسلامیہ اسی نظریہ امتزاج کے تحت قائم کیا گیا ہے اور مثال میں جامعہ ازہر مصر کو پیش کیا گیا ہے۔ اس وقت یہ ناچیز اس نظریہ امتزاج کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

فاقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق وسو الهادی الی سواء الطریق

مدارس دینیہ کے قیام سے فقط آخرت مقصود ہے تاکہ علومِ دینیہ کا احیاء اور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے علم اور عقائد اور طرزِ عمل کی تعلیم دی جائے تاکہ علم دین محفوظ ہو جائے۔ علم کی حفاظت کا ذریعہ تعلیم ہے جس علم کی تعلیم نہ ہو وہ علم ختم ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ دینی مدارس کی غرض وغایت علم دین کا تحفظ ہے اور دنیاوی علوم کے مدارس کی ملک میں کوئی قلت نہیں چپہ چپہ پر کالج اور اسکول کھلے ہوئے ہیں جسے دنیاوی علم حاصل کرنا مقصود ہو وہ جس کالج اور اسکول میں چاہے داخل ہو جائے۔

۱۔ اور ایک وقت میں علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کی تحصیل کی فکر میں پڑنا۔ طَلَبُ الْكُلِّ فَوْتُ الْكُلِّ (کل کی طلب میں بالکل خالی ہاتھ رہ جانا) کا مصداق ہے نہ دین نہ دنیا کچھ بھی ہو گا۔

۲۔ پھر یہ کہ دونوں تعلیموں کے ملانے سے وقتِ تعلیم بڑھے گا اور مدتِ تعلیم زیادہ ہو جائے گی دو چند اور دُگنا وقت نہ ہو گا، تو دو چند اور دُگنے کے قریب تو ضرور ہو جائے گا، جو طلبہ پر اور ان کے والدین پر موجب گرانی ہو گا۔ اس لئے علماء نے یہ خیال کیا کہ جسے دارِ آخرت کی فکر ہو وہ تھوڑی مدت میں بقدرِ ضرورت علم آخرت حاصل کر لے اور مسلمان کا اصل مقصود آخرت ہے اور کافر سے ہمیں بحث نہیں اور پھر جس کو دنیاوی علم کی ضرورت ہو وہ اس کو حاصل کرے۔ مسلمان کے لئے دار باقی کا علم حاصل کرنا دار فانی کے علم سے مقدم ہے امیر و فقیر سب کو وہیں جانا ہے۔

۳۔ نیز دنیوی علوم بہت ہیں۔ ہر ایک علم کے لئے علیحدہ علیحدہ کالج ہیں۔ انجینئری اور ڈاکٹری اور بحری اور بری اور فضائی تربیت گاہیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسی درسگاہ نہیں جہاں سب علوم کی بیک وقت تعلیم دی جاتی ہے۔

۴۔ پھر ان مفکرین امتزاج کو یہ تو فکر ہے کہ علوم دینیہ کے ساتھ انگریزی تعلیم کو لازم

قرار دیا جائے مگر یہ فکر نہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علوم دینیہ اور اعمال دینیہ کو لازم قرار دیا جائے ۔جس کا مطلب یہ نکلا کہ ان مفکرین امتزاج کے نزدیک خالص دین کا علم تو مسلمان کے لئے ضروری نہ رہا اور نصرانیوں کا علم اور ان کی زبان کا سیکھنا اتنا فرض ہوگیا کہ خالص دین کی تعلیم بھی بغیر انگریزی کے امتزاج کے غیر مؤثر اور غیر مفید نظر آنے لگے ۔

یہ نظریہ امتزاج ،انگریزی علم کے ساتھ عشق کی آخری منزل ہے ۔جس کو علماء دین حیرت اور حسرت کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اکبر مسلمانوں کا ایک گروہ اس فکر میں ہے کہ خالص دینی تعلیم کو ملک سے ختم کر دیا جائے ۔خوب سمجھ لو کہ یہ نظریہ امتزاج مغ یت سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے ۔

۵۔ مدارس دینیہ کے تاسیس (بنیاد، جڑ) سے دو غرضیں ہیں ۔ایک تو علوم دینیہ کا احیاء اور بقاء اور دوسری غرض صِبْغَةَ اللهِ ہے یعنی دینی اور اسلامی رنگ کا تحفظ اور بقاء ہے ۔

اس لئے علماء کرام نے دینی مدارس کو انگریزی تعلیم سے محفوظ رکھا تا کہ انگریزی تعلیم کی وجہ سے مدارس میں نصرانیت کا کوئی اثر نہ آنے پائے ۔اور دینی مدارس کا رنگ وہ رہے جو الذین انعمت علیھم کا تھا اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ مغضوب علیھم اور ضالین کے رنگ اور بو اور وضع قطع سے محفوظ رہیں ۔

خالص علم دین بارش کے پانی کی طرح بلاشبہ آبِ طہور اور عرقِ گلاب ہے لیکن اگر اس میں نصرانیت کی نجاست گر جائے اور چشمۂ شریعت کے آب طہور کے لَون (رنگ) اور طَعم (مزہ) اور ریح (بو) کو متغیر کر دے تو ایسی صورت میں وہ آب طہور نجس ہو جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے:

"ان الماء طهور لا ينجسه شيء الا ما غير لونه او طعمه او ريحه"

مغربی تعلیم یا فنون کا نظریہ یہ ہے کہ نام تو اسلام کا رہے مگر عملی زندگی اور معاشرہ

دنیاوی سب نصرانی اور مغربی ہو۔ اس طرح سے اسلام اور مغربیت میں ہم آہنگی چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ مغربی تہذیب وتمدّن میں نفسانی اور شہوانی جذبات کے لئے پُوری آزادی ہے اور اسلام میں نفسانی خواہشوں پر پابندیاں ہیں اور چونکہ خانقاہی زندگی میں دنیوی علائق (بکھیڑے۔ تعلقات) سے بالکل قطع تعلق ہو جاتا ہے، اور دنیا کو طلاق دے دینی پڑتی ہے۔ اس لئے دلدادگانِ مغربیت (مغربیت پسند لوگ) کو خانقاہیت کا تصور بھی شاق اور گراں ہوتا ہے۔

اگر یہ لوگ تاریخ اسلام میں غزالی اور عطار اور رومی جیسے اکابر کا تذکرہ پڑھتے تو خانقاہی زندگی کو حقیر نہ سمجھتے۔ شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں:

گرچہ درویشی بود سخت اے پسر
ہم نہ درویشی نباشد خوب تر [۱]

جس جگہ بھی انگریزی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا ہے اسی وقت سے اس جگہ سے خدا پرستی رخصت ہونی شروع ہو جاتی ہے اور نفس پرستی اور شہوت پرستی اور دنیا طلبی اپنا قدم جما لیتی ہے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک آتی ہے کہ نماز اور قرآن سے اس کو نفرت ہو جاتی ہے اور بجائے مسجد کے سینما اس کو مرغوب اور محبوب ہو جاتی ہے اور خانقاہ کی بجائے اور اس کو تماشا گاہ لذیذ اور خوشنما معلوم ہونے لگتی ہے اور اخلاق حسنہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے جیسا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے دین رخصت ہو چکا ہے۔

لـــــــهـــــــذا

جب علوم جدیدہ کا علوم قدیمہ کے ساتھ امتزاج ہو گا تو جس قدر اور جس درجہ کا امتزاج ہو گا اسی قدر اور اسی درجہ وہاں سے دین رخصت ہو جائے گا۔

۷۔ اِس گزشتہ نصف صدی میں نظریۂ امتزاج کے تمام تجربے ناکام ثابت ہو چکے ہیں اسی

---

[۱] اگرچہ درویشی سخت ہے اے بیٹے! درویشی زیادہ اچھی بھی نہیں ہوتی۔

نظریہ امتزاج کے ماتحت لکھنؤ میں ''ندوۃ العلماء'' قائم ہوا اور کانپور میں ''مدرسۃ الٰہیات'' قائم ہوا اور دہلی میں ''جامعہ ملیہ'' قائم ہوا۔ اس پچاس سال کی مدت میں ان درسگاہوں سے ایک بھی عالم دین پیدا نہیں ہوا۔ جس سے مسلمانوں کو کوئی دین کا فائدہ پہنچتا۔ اور اس نظریہ امتزاج کی جو بہترین مثال پیش کی جاتی ہے وہ ''جامعہ ازہر'' کی مثال ہے۔

جامعہ ازہر ایک قدیم دینی درسگاہ ہے جو اب سے صدہا سال پیشتر خالص علوم دینیہ کے لئے قائم ہوئی اور جس سے صدہا اور ہزارہا عالم دین پیدا ہوئے اور اس وقت انگریز اور اس کے فنونِ جدیدہ کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔

اس میں اب سے تیس پینتیس سال پہلے تک خالص دینی تعلیم ہوتی تھی۔ اب کچھ عرصہ سے اس میں علوم جدیدہ کی تعلیم کو بھی شامل کر لیا گیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اب جامع ازہر وہ دینی جامع ازہر نہیں رہا۔ جو اب سے تیس سال قبل تھا اب اس کا رنگ ہی دوسرا ہو چکا ہے۔ اس قدیم دینی درسگاہ سے دین کا رنگ رخصت ہو گیا اور اس کے فضلاء کی وضع قطع اور معاشرت سب مغربی ہوگئی۔

یہ سب نظریہ امتزاج کا کرشمہ ہے جب اور جہاں یہ امتزاج اپنا قدم رکھتا ہے دین وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے اور اگر برائے نام کچھ دین رہتا ہے تو غلبۂ مغربیت اور نصرانیت ہی کا ہوتا ہے اور اس کلیہ کے احاطہ میں دین فقیرانہ زندگی گذارتا ہے۔

چنانچہ چند سال پیشتر جو کلوکیم ہوا اور اس میں مصر اور شام کے فضلاء آئے وہ سب مغربی رنگ میں تھے۔ نظریہ امتزاج سے دین اور دین کا رنگ اگر کچھ باقی رہتا ہے تو وہ ایسا ہی باقی رہتا ہے جیسا کہ اس وقت جامع ازہر میں نظر آتا ہے۔

۸۔ جس طرح لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط کالج موجب فتنہ ہے۔ اسی طرح علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کی مخلوط درسگاہ دین کے لئے موجب صد فتنہ ہے۔

۹۔علوم دینیہ عربیہ کا نصاب تعلیم علیحدہ ہے اور علوم عصریہ اور انگریزی علوم کا نصاب تعلیم علیحدہ ہے۔ ہر ایک کی نوعیت علیحدہ ہے اور دو مختلف النوع نصابوں کو بیک وقت تعلیم میں جمع کرنا گویا کہ اجتماعِ ضدین (دو مخالف چیزوں کو جمع کرنا جیسے آگ اور پانی) کی درسگاہ کھولنا ہے۔

۱۰۔دینی اور دنیوی تعلیم کی مخلوط درسگاہ کا وقف کی آمدنی سے قائم کرنا شرائط وقف کے منافی ہے۔وقف کی آمدنی خالص دینی کاموں پر خرچ ہوسکتی ہے۔دنیوی تعلیم پر اس کا کلاً یا جزواً (زیادہ یا کم) خرچ کرنا جائز نہیں۔واقف کا وقف سے مقصود فقط آخرت ہے اور یہ غرض جب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ جب وہ آمدنی کلیۃً فقط دینی مقاصد پر خرچ کی جائے جس میں دنیوی مقاصد کا امتزاج نہ ہو۔

فَتِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

مشن کالج

اور اسلامی حکومتوں میں مشن کالجوں کا وجود اسلام کے لئے سمِ قاتل (تیز اثر زہر) کا حکم رکھتا ہے اہل ثروت اور اہل وسعت مسلمان اپنے کم عمر بچوں کو مشن کالج یا اسکول میں ایسے سن میں داخل کر دیتے ہیں کہ اس مسلمان بچہ کو کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ اس کی لوحِ دل (دل کی تختی) بالکل خالی ہوتی ہے عیسائی مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد اس سادہ لوح پر عیسائیت کے مذہبی اور اخلاقی اور معاشرتی اور تمدنی نقش و نگار شروع ہو جاتے ہیں۔ سات آٹھ سال کے زندگی میں جو دیکھتے ہیں اور جو سنتے ہیں وہ سب اسلام کے خلاف ہوتا ہے اور غیر شعوری طور پر نصرانیت اور مغربیت کے نقش و نگار ایسے کندہ ہو جاتے ہیں کہ اب اس لوح دل میں اسلام کے کسی نقش و نگار کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور جب کالج سے ڈگری لے کر گھر واپس آتے ہیں تو صرف نام تو اسلامی واپس آجاتا ہے اور ظاہر و باطن اسلامی عقائد و اعمال سے یکسر خالی ہوتا ہے اور اسلام کے بارہ میں شکوک اور شبہات سے دل لبریز ہوتا ہے سر سے پیر تک مغربیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ سینما اور کلب اُن کو محبوب ہوتا ہے جو اہل نظر کے نزدیک جو آوارگی کی درسگاہ اور آماجگاہ اور فحاشی کی تماشہ گاہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ظاہری جنسیت اور قومیت کے لحاظ سے مسلمان کہلاتے ہیں مگر مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے مغربی ہوتے ہیں۔ علم دین اور علماء دین کو خاص طور پر نظر حقارت سے دیکھتے ہیں حتی کہ والدین کے خرچ سے انہوں نے یہ تعلیم پائی ہے وہ اگر اسلامی رنگ میں ہوتے ہیں تو یہ صاحبزادے ان کو بھی حقیر سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ رہنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ علیحدہ بنگلہ چاہتے ہیں۔ وہ علم ہی کیا ہوا جس نے ماں باپ کو بھی نظروں میں حقیر بنا دیا اور اپنے خویش و اقارب (قریبی رشتہ دار اپنی جماعت یا قبیلے کا) میں نکاح کرنے کو معیوب

سمجھتے ہیں اور میم سے شادی کو باعث فخر جانتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چچازاد بہنیں اور خالہ زاد بہنیں اور خاندانی لڑکیاں ان کی آمدنی اور مال و دولت سے محروم ہو جاتی ہیں اور جو کماتے ہیں وہ سب اس میم پر عاشقانہ اور خادمانہ قربان کر دیتے ہیں۔ کیا یہ مقامِ حسرت نہیں کہ انسان اپنے باپ اور دادا دادی اور نانی کے اجزاء اور اعضاء (افراد خاندان) سے بے گانہ بن جائے اور سات سمندر پار کے بیگانوں کا یگانہ بلکہ دیوانہ بن جائے مغربی حکومتیں جو اربہا روپیہ اسلامی ممالک میں قائم کردہ مشن کالجوں پر خرچ کر رہی ہے وہ بے وجہ نہیں خرچ کر رہی ہیں ان کی غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے عیش و عشرت کے ساتھ ہماری آغوشِ تربیت میں ایک عرصہ تک پرورش پائیں۔ وہ اس عرصہ میں اگر عیسائی نہ بن سکیں تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہیں۔ صورت اور سیرت کے اعتبار سے ہمارے ہم رنگ ہو جائیں اور مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت اور آفت نہیں کہ اس کا سینہ اسلام سے خالی ہو جائے اور یہی کافروں کی دلی تمنا اور آرزو ہے۔ کما قال تعالیٰ:

''وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ''

(سورۃ النساء، ۴:۸۹)

''اے اللہ مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچا'' آمین

''رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ''

(سورۃ یونس ۱۰:۸۵۔۸۶)

اے میرے بھائیو! میں نے اس وقت جو چند حروف لکھے ہیں حقیقت حال اس سے کہیں زائد ہے جو تم پر روشن ہے زیادہ لکھتے ہوئے شرم معلوم ہوئی۔ اب قلم کو روکتا ہوں۔

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است[۱]

---

[۱] میں تیرے سامنے کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن غم دل سے میں ڈرتا ہوں، اے دل! تو پریشان ہو جائے گا ورنہ باتیں بہت سی ہیں۔

نصاب تعلیم

دینی نصابِ تعلیم تین ہیں۔ایک وہ نصاب جس سے علمی استعداد مکمل ہو جیسے درس نظامی جو دارالعلوم دیوبند اور تمام ہندوستان اور پاکستان کے مدارسِ دینیہ عربیہ میں رائج ہے۔

دوسرا نصاب وہ ہے جس قدر ضرورت علوم دینیہ کی استعداد ہو جائے۔اس کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کا تجویز کردہ نصاب مناسب ہے جو ''ضمانُ التکمیل فی ضمانِ التعجیل'' کے نام سے موسوم ہے جس میں بقدر ضرورت ''صرف ونحو'' اور ''بلاغت'' کی اور ''منطق'' کی ابتدائی کتابیں ہیں اور ''مشکوٰۃ'' اور ''جلالین'' اور ''ہدایہ'' کی کتابیں جن کے پڑھنے سے انسان کو عربی کی متوسط استعداد ہو جاتی ہے جس کو زیادہ فرصت نہ ہو وہ تین سال میں یہ کتابیں پڑھ کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ ترجمہ اور شرح کی مدد سے قرآن اور حدیث کو سمجھ سکے گا۔

تیسرا نصاب عام مسلمانوں اور کالج اور اسکولوں کے لئے ہے جن عقائد سے اسلامیہ اور اعمالِ ضروریہ کا علم ہو جائے اس کے لئے ''تعلیم الاسلام'' مصنفہ مفتی کفایت اللہ صاحب چاروں حصے اور ''تعلیم الدین'' مصنفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب اور ''بہشتی زیور'' کافی ہے، اور ''قیامت نامہ'' اردو مصنفہ حضرت شاہ رفیع الدین اور ''تواریخ حبیب اللہ'' اور ''خلفاء راشدین'' کے حالات میں کسی اہل سنت کے عالم کی تصنیف پڑھ لی جائے مگر شرط یہ ہے کہ یہ کتابیں کسی استاد سے سبقاً سبقاً پڑھی جائیں خود مطالعہ کافی نہیں، اور اگر کوئی شخص پڑھا لکھا ہے تو اس کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ یہ کتابیں کسی مستند عالم کو ایک مرتبہ حرفاً حرفاً سنا دے تا کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ ان کتابوں کا مضمون صحیح سمجھ گیا ہے عالم بننا اور مولوی بننا فرض اور واجب نہیں البتہ دین اسلام کے عقائد اور اعمال ضروریہ کا جاننا مسلمان پر فرض اور

لازم ہے تاکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر سکے، اور اتنا علم اردو زبان میں جو دین کی کتابوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لہذا کسی مسلمان کو ان کتابوں کے پڑھنے سے ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے جس شخص کو دین کے عقائد اور اعمالِ ضروریہ کا علم نہ ہوا تو وہ مسلمان ہی کیا ہوا۔ کوئی شخص کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو وہ اردو حساب اور اردو اقلیدس خود مطالعہ سے نہ سمجھ سکتا ہے۔ جب تک باقاعدہ کسی استاد سے نہ پڑھے اردو میں ہو جانے سے زبان کی وقعت تو نہ رہے گی مگر علم اور فن کی دِقت (مشکل) بحالہٖ (اُسی طرح) رہے گی جو استاد ہی سے حل ہوگی۔ کوئی شخص اردو کا کتنا ہی فاضل اور ادیب کیوں نہ ہو مگر طب یونانی اور ڈاکٹری کا علم محض اردو تراجم کے مطالعہ سے حاصل نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص بغیر کسی درس گاہ میں پڑھے ہوئے طب اور ڈاکٹری کے تراجم دیکھ کر لوگوں کا معالجہ شروع کر دے تو حکومت کی طرف سے اس پر مقدمہ قائم ہو جائے گا۔ اسی طرح علم دین اور طب روحانی کو سمجھو کہ بغیر استاذ سے پڑھے وہ علم نہیں بلکہ وہ جہالت ہے اور گمراہی کا ذریعہ ہے اللہ پناہ میں رکھے اس وقت صرف اتنی قدر پر اکتفا کرتا ہوں خدا تعالیٰ کی توفیق نے اگر دستگیری کی تو پھر کسی وقت نصاب تعلیم کے انواع و اقسام کے متعلق کچھ عرض کر سکوں گا۔

"واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين"

تحقیق تعلیم انگریزی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة

والسلام علی رسولہ سیدنا محمد والہ واصحبہ اجمعین"

امابعد! ہمارے زمانہ میں انگریزی تعلیم کی جواز وناجواز کی نسبت اکثر گفتگو ہوتی ہے چونکہ اکثر جانبین کے دلائل ناکافی ہوتے ہیں اس لیے بجائے قولِ فیصل نکلنے کے روزمرہ اختلاف ہی بڑھتا جاتا ہے اور کوئی قول محقق نہیں ہوتا، نظر بریں مناسب معلوم ہوا کہ اس میں قولِ فیصل اپنی رائے کے موافق عرض کیا جائے، اُمید ہے کہ منصف کے لیے کافی شافی ہوگا اور متعصب کے لیے تو کوئی تقریر کوئی تحریر کبھی کافی نہیں ہوتی اور نہ ہونے کی اُمید۔ اب قبل شروع مقصود چند مقدمات بطور قواعد کلیہ کے تمہیداً عرض کئے جاتے ہیں کہ فہم مقصود میں آسانی ہو۔ وَعَلَیْهِ نَتَوَکَّلُ وَبِهٖ نَسْتَعِیْنُ

مقدمہ اولیٰ: کسی شے کا قبیح ہونا دو طور سے ہوتا ہے۔

۱۔ایک قباحت لعنیہ ۲۔قباحت لغیرہ

۱۔قباحت لعینہٖ کے یہ معنیٰ کہ اس شے کی ذات میں قباحت اور برائی ہو کسی عارض اور خارج کی وجہ سے قباحت نہ آئی ہو، اس کی ذات میں قباحت ہونے کا یہ اثر ہوگا کہ وہ شے کبھی کسی طرح مباح نہ ہو سکے گی جس طرح زنا، سرقہ کہ ان کی ذات میں قباحت ہے کسی عارضی چیز کی وجہ سے قباحت نہیں آئی یہاں تک کہ یہ کبھی کسی طرح محل اباحت (جائز) نہیں ہو سکتے۔

۲۔قباحت لغیرہٖ کے یہ معنیٰ کہ وہ شے اپنے نفس اور ذات کے اعتبار سے تو قبیح نہیں ہے مگر اس میں کچھ خارجی عوارض ایسے لاحق ہو گئے ہیں جس سے وہ شے قابل اجازت نہ رہی جیسے اذان جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرنا یہاں بیع کے اندر فی نفسہٖ کچھ خرابی نہیں بلکہ اس میں

بعض عوارض ایسے لاحق ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہوگئی، وہ عارض یہ ہے کہ اذان سنتے ہی جمعہ کی نماز کیلئے حاضر ہونا واجب ہے بقولہٖ تعالیٰ:

"فَاسعَوا اِلٰی ذِکرِ اللهِ" (الجمعة ۶۲: ۹)

"یعنی خدا کے ذکر کی طرف چلو"۔

اور اذانِ جمعہ کے بعد اگر خرید و فروخت کی جاوے گی تو حاضری جمعہ میں تاخیر ہو گی۔ پس یہاں بیع میں قباحت اس عارض کی وجہ سے لاحق ہوگئی اور بیع قبیح و ممنوع ٹھہری ورنہ خود بیع میں کچھ خرابی نہ تھی۔

مقدمہ ثانیہ: جو امر مفاسد کا ذریعہ بنے اگرچہ وہ امر مباح ہو لیکن بسبب ذریعہ مفاسد (نقصان دہ چیز کا ذریعہ بننے کی وجہ سے) بننے کے حرام ہو جاتا ہے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ غدر کرنے والوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے۔ اگرچہ یہ بیع خود فعل مباح تھا لیکن چونکہ مفاسد کا ذریعہ بنا اور اس سے ایک فساد لازم آگیا اس لئے اب حرام ہوگیا۔

مقدمہ ثالثہ: دین صرف چند اعمال ظاہری مثل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی کا نام نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر جزء عقائد کا ہے، جس پر دار و مدار نجات کا ہے، کہ بغیر اس کے نجات غیر ممکن ہے۔ ایک جزء اس کا اخلاق حمیدہ ہیں کہ حسب تصریح محققین وہ بھی مثل نماز روزہ کے فرض ہے وہ اخلاق یہ ہیں، صبر و شکر و اخلاص و تواضع و سخاوت وغیرہ پس اگر کوئی صرف ان چند اعمال ظاہری کو برتے (نباہنا) اور نہ اس کے عقائد ٹھیک ہوں اور نہ اخلاق درست ہوں وہ ہرگز پورا مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔

مقدمہ رابعہ: جس دنیا کی مذمت قرآنِ مجید و احادیث صحیحہ میں موجود ہے اس کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں۔

۱۔ حبِّ مال　　　　۲۔ حبِّ جاہ

یعنی مال اور شان کا ایسا محبوب ہونا کہ اس کے مقابلہ میں دین کے ضائع ہو جانے کا صدمہ نہ ہو یعنی اگر کسی فعل یا قول سے دین میں کمال ہوتا ہو لیکن مال و جاہ کو نقصان پہنچتا ہو یا مال و جاہ کی ترقی ہو لیکن دین کا تنزل (نقصان، کمی) ہوتا ہو تو وہاں مال و جاہ کو ترجیح دے اور دین کی کچھ پرواہ نہ کرے جن لوگوں نے قرآن و حدیث کو نظر ایمانی سے دیکھا ہے ان کے نزدیک یہ مقدمہ اجلیٰ بدیہات[۱] سے ہے۔

مقدمہ خامسہ: شریعت کے احکام کا دارومدار حقیقت پر ہے، نہ نام پر پس اگر کسی شے کا نام بدل دیا جائے تو جب تک اس کی حقیقت نہ بدلے گی حکم نہ بدلے گا مثلاً اگر کوئی شراب کو شربت یا زنا کو نکاح کہا کرے تو اس کا حکم نہ بدلے گا اور دونوں کا حکم یعنی حرمت باقی رہے گی۔

مقدمہ سادسہ: کسی شے پر حکم لگانا باعتبار غالب اور اکثر کے ہے ایک آدھ فرد کا اس سے نکل جانا اس حکم کے مخالف نہ کہلائے گا مثلاً ایک مقدار خاص کی اکثر اوقات و اکثر اشخاص کے اعتبار سے مہلک ہو سو فرضاً اگر کسی خاص وقت یا کسی خاص شخص کے اعتبار سے نوبت بہ ہلاک نہ پہنچائے تب بھی اس مقدار پر اطباء مہلک ہی ہونے کا حکم لگا دیں گے اور اس شاذ و نادر صورت کو کالعدم و ناقابل اعتبار سمجھیں گے چنانچہ اسی مقام سے "للاکثر حکم الکل" اور "النادر کالمعدوم" مثل مشہور ہوگئی ہے۔ اپنے محاورات میں بھی اگر ذرا غور کر کے دیکھا جاوے تو اس کی نظیریں بہت ملیں گی مثلاً کسی قوم کو بہادر اور دلیر کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا ہر فرد بہادر اور دلیر ہے اور کوئی شخص بھی، اس قوم کا بزدل نہیں، بلکہ سب سمجھتے ہیں کہ یہ حکم اس قوم کے اکثر فرد کے اعتبار سے ہے۔

مقدمہ سابعہ: کسی شے پر کسی خاص اثر کے مرتب ہونے کا حکم لگانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے اسباب بھی معلوم ہوں بلکہ مطلقاً حکم لگانے کے لئے مشاہدہ اور تجربہ بالکل کافی

---

[۱] جَلِیَ یَجْلِی سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے، مصدر جلاء بمعنی خوب روشن اور واضح ہونا۔ اَجلی بَدیہات یعنی انتہائی واضح دلیل۔

دلیل ہے مثلاً مقناطیس پر یہ حکم لگانا کہ وہ لوہے کو کشش کرتا ہے اس حکم کی صحت، تکرارِ مشاہدہ و تجربہ سے بالکل قطعی اور یقینی ہے، اگرچہ کشش کرنے کی علت اور سبب اب تک یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں ہوا بلکہ تجربہ اور مشاہدہ پر اس قدر وثوق (یقین) کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ہمارے تجربہ کے خلاف دلیل قطعی سے ثابت کر دے تو اپنے تجربہ اور مشاہدہ کے مقابل (خلاف) اس کی دلیل نہ مانی جاوے گی اور کہا جاوے گا کہ اس دلیل کی غلطی اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہوتی لیکن چونکہ مشاہدہ کے خلاف ہے، اس لئے ضرور غلط ہے مثلاً اگر کوئی شخص مقناطیس میں عدم الجذب (کھینچنا) دلیل سے ثابت کر دے تاہم بمقابلہ مشاہدہ کے وہ دلیل بالکل نا قابل اعتبار ہوگی اور مجیب کو اُن دلیلوں کا جواب دینا ضروری نہ ہوگا بلکہ اس کو صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ چونکہ یہ دلیلیں مشاہدہ کے خلاف ہیں اس لئے غلط ہیں۔

مقدمہ ثامنہ: ہر شے قابل تحصیل دو قسم پر ہے۔

ا۔ مقصود لذاتہٖ جس کو مطلق مقصود بھی کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ مقصود لغیرہٖ جس کا نام ضروری بھی رکھا جا سکتا ہے۔

ا۔ مقصود لذاتہ کے یہ معنی کہ وہ شے خود مقصود ہے کسی دوسرے مقصود حاصل کرنے کے لئے وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہے۔

۲۔ مقصود لغیرہ اس کے برعکس ہے یعنی خود مقصود نہیں بلکہ ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ مقصود کا ذریعہ ہے بغیر اس کے مقصود تک پہنچنا دشوار ہے۔

سو مقصود لذاتہٖ کی تحصیل میں بس نہیں ہوتی اور مقصود لغیرہٖ (ضروری) میں جب قدر ضرورت حاصل ہو جائے گی آگے روک دیا جاتا ہے مثلاً غذا اور دوا کو لیجئے کہ غذا تو مقصود ہے اور دوا ضروری۔ پس غذا تو تمام عمر کا شغل ہے اور دوا چونکہ ضرورت مرض سے ہے جب مرض نہ رہے گا دوا سے روک دیا جاوے گا۔

مقدمہ تاسعہ: جس امر میں اہل الرائے اختلاف کریں حقیقت میں وہ اختلاف اُس امر کے دلیل کے کسی مقدمہ میں ہوگا یہ نہیں ہوسکتا کہ دلیل تو طرفین کو مسلم ہو اور پھر نتیجہ اور مدعیٰ میں مخالفت رہے سو وہ مقدمہ جس میں فی الحقیقۃ اختلاف ہے اگر مقدمہ شخصیہ [۱] ہے تو وہ اختلاف قابل اعتبار نہیں اور اگر مقدمہ کلیہ [۱] ہے تو البتہ وہ اختلاف قابل اعتبار ہوگا مثلاً ایک شخص زید ایک آدمی کا نام رکھ کر کہتا ہے "زید آدمی ہے اور جو آدمی ہے وہ لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے اس لئے زید لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے"۔

دوسرا زید گدھے کا نام رکھ کر کہے "زید گدھا ہے اور کوئی گدھا لکھ نہیں سکتا اس لئے زید بھی لکھ نہیں سکتا"۔ پس یہ اختلاف مقدمہ شخصیہ میں ہے کہ زید آیا واقع میں کسی آدمی کا نام ہے یا گدھے کا تو اختلاف قابل اعتبار نہیں بلکہ ذرا سے غور کے بعد اختلاف اٹھ جاتا ہے کہ اگر زید آدمی کا نام ہے تو پہلا قول صحیح ہے اور دوسرا یقینا غلط اور اگر گدھے کا نام ہے تو دوسرا قول صحیح ہے اور اول غلط ہے۔ ہاں اگر جو آدمی ہے وہ لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس مقدمہ کلیہ میں کوئی اختلاف کرے اور کہے کہ ہر آدمی نہیں لکھ سکتا تو یہ اختلاف البتہ قابل اعتبار ہوگا "فھم حق الفھم"

مقدمہ عاشرہ: جو حکم کسی عارض کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس حکم کا دارومدار عارض پر ہوتا ہے پس اگر زمانہ کے اختلاف یا ملک کے تبدیل سے وہ عارض جاتا ہے تو وہ حکم بھی جاتا رہے گا۔

جب یہ مقدمات عشرہ مُمَہّد (تمہید کے طور پر لائے جا چکے ہیں) ہو چکے اب بعونہ تعالیٰ مقصود کی طرف رجوع کیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ انگریزی اپنی ذات میں ایک زبان ہے اور باعتبار کورس متعارف کے چند فنون و علوم کا نام ہے۔ کسی زبان یا کسی فن علمی کا سیکھنا اپنی ذات ...

---

[۱] مقدمہ شخصیہ اس کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص شخص پر حکم کیا جاوے جیسے زید کھڑا ہے۔ یہ مقدمہ شخصیہ ہے کہ اس میں کھڑے ہونے کا حکم خاص زید ہی پر کیا گیا ہے۔ اور
مقدمہ کلیہ اس کے برعکس ہے جیسے سب آدمی کہتے ہیں (لکھتے ہیں) کہ کہنے کا حکم کسی آدمی پر نہیں کیا گیا بلکہ مطلقاً سب آدمی پر حکم ہے۔

ممنوع نہیں کہا جاتا لیکن مفاسد اور قبائح مل جانے سے ممنوع لغیرہ ہوسکتا ہے (بحکم مقدمہ اولی) اور جب مفاسد اور قبائح مرتب ہونے لگیں باوجود اپنے اباحت اصلیہ کے قابل ممانعت ہو جاوے گا (بحکم مقدمہ ثانیہ) اب ان آثار کو ملاحظہ فرمائیے جو اس وقت انگریزی تعلیم میں پیدا ہوتے ہیں نماز و روزہ میں کاہلی بلکہ اعراض عقائد دینیہ میں ضعف بلکہ تشویش و انکار، تکبر، نمائش، تصنع و تقلید کفار، دوسروں کو حقیر سمجھنا، دینداروں کو نظر مذلت سے دیکھنا اور یہ سب دین کی بربادی ہے کیونکہ امور مذکورہ اجزاء دین ہیں (بحکم مقدمہ ثالثہ) اور شب و روز دماغ میں ترقی مال اور حصول مناصب کی ہوسیں پکنا ان کی تحصیل میں احکام شرعیہ کی ذرہ برابر بھی نظر میں وقعت نہ رہنا اور اس مقدمہ میں بے باکی آجانا اور یہی دنیا ہے جو اللہ اور رسول کے نزدیک مبغوض و ملعون ہے (بحکم مقدمہ رابعہ) گو اس وقت اس دنیائے ملعونہ کا نام ہوس ناکوں نے اولو العزمی اور ترقی رکھا ہے مگر عنوان بدلنے سے معنون نہ بدلے گا نہ اس کا حکم بدلے گا (بحکم مقدمہ خامسہ) اور اگرچہ بعض لوگوں میں یہ آثار نہیں پیدا ہوتے یا کم پیدا ہوتے مگر شاید فیصدی مشکل سے دس آدمی اس سے محفوظ ہوں تو ہوں پس اس تخلف کو قابل اعتبار نہیں سمجھا جاوے گا (بحکم مقدمہ سادسہ) اور ان آثار کی علت خواہ صحبت اہل الحاد کی ہو یا تعلیم دین کا اہتمام نہ ہونا قرار دیا جاوے خواہ خود بعض فنون کا خاصہ ہو جیسے سائنس وغیرہ یا مصنفین کے خیالات کا عکس ہو جو بذریعہ تصنیفات کے مخفی طور پر ناظرین کے قلب پر پڑتا ہے مگر جب مشاہدہ سے ترتب آثار (اثر پڑنا) کا ثابت ہے اس بات کی تعیین نہ ہونا باعث تردد فی الحکم نہیں ہوسکتا بلکہ اگر کوئی شخص دلائل سے ان آثار کا لازمی نہ ہونا بھی ثابت کر دے مگر مشاہدہ کو مکذب دلائل (دلائل کو غلط کرنے والا) سمجھا جاوے گا (بحکم مقدمہ سابعہ) البتہ جو شخص دنیا کی ضرورت سے پڑھنا چاہے (بشرطیکہ وہ ضرورت شرعاً بھی ضرورت سمجھی جاوے اور اعلیٰ درجہ کے پاس اور ڈگریوں کا حاصل کرنا اور اس سے اعلیٰ درجہ کے عہدوں کا حاصل کرنا جس میں سرتا

سر شریعت کی مخالفتیں کرنا پڑتی ہیں حد ضرورت سے خارج ہے) یا کسی دینی ضرورت سے پڑے مثلاً مخالفین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے یا مخالفوں کو اسلام کی دعوت کرنے کے لئے (اور یہ تو عنقاء ہے) (یعنی نادر و کمیاب ہے) تو بقدر رفع ضرورت اجازت ہوگی اور اس سے آگے بندش (بحکم مقدمہ ثامنہ) اس تقریر سے صاحب انصاف کے نزدیک انگریزی تعلیم کے قبح میں ذرا بھی شک نہ رہا ہوگا اگر کسی عالم مستند کا قول یا فتویٰ اس کے خلاف میں پایا جاوے تو حقیقت میں یہ اختلاف ایک مقدمہ شخصیہ میں ہے نہ مقدمہ کلیہ میں یعنی اس مقام پر ہمارے دعوے کی دلیل میں دو مقدمے ہیں۔

۱۔ یہ کہ انگریزی سے فلاں فلاں آثار قبیحہ پیدا ہوتے ہیں اور ''مقدمہ شخصیہ'' ہے۔

۲۔ یہ کہ جس چیز سے یہ آثار قبیحہ پیدا ہوں وہ قبیح ہے یہ ''مقدمہ کلیہ'' ہے۔

سو مقدمہ اولیٰ کوئی مسئلہ شرعی نہیں بلکہ ایک واقعہ کی تحقیق ہے جس میں اختلاف مشاہدہ و تجربہ سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے اور مشاہدہ و تجربہ سے ایک رائے کی غلطی کا معائنہ ہو سکتا ہے۔ ہاں دوسرا مقدمہ مسئلہ شرعی ہے سو اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا پس ایسا اختلاف ہمارے دعوے مذکورہ کو مضر نہیں ہو سکتا (بحکم مقدمہ تاسعہ) البتہ اگر کسی خاص طریق سے ان آثار قبیحہ کا انسداد ہو جاوے اور اس تعلیم کی مضرت اکثریہ کا دفعیہ ہو جاوے تو اس وقت اس سے حکم قبیح کا اُٹھ جاوے گا گو حالت موجودہ سے تو اس کی امید بہت کم ہے مگر قضیہ شرطیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں (بحکم مقدمہ عاشرہ)

هذا أخر ما اردنا ایراده فی هذه الباب والله تعالی اعلم بالصواب وعنده ام الکتاب نسئل الله تعالی حسن الماب ببرکة سید الرسل وهادی السبل واله واصحبه

کتبہ محمد اشرف علی تھانوی امدادی عفی عنہ